مولانا عبد العلی فاروقی (لکھنؤ)

شہید غیرت حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حضرت حسینؓ کی مظلومیت اتنی آشکار، اتنی واضح، اور اتنی تسلیم شدہ ہے کہ ان کے سلسلہ میں اس وضاحت کی چنداں حاجت نہیں ہے کہ تاریخ کی مظلوم شخصیتوں میں ان کا بھی ایک اہم مقام ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اگر اسلامی تاریخ کی سب سے بڑی مظلوم شخصیت کے بارے میں استفسار کیا جائے تو مسلمانوں کی واضح اکثریت کی زبانوں پر حضرت حسینؓ ہی کا نام آجائے گا، اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ قرن اول سے آج تک کے شہدائے اسلام میں جتنا کچھ حضرت حسینؓ اور ان کی شہادت کے بارے میں لکھا اور کہا گیا کسی دوسرے اسلامی شہید کے بارے میں نہیں لکھا اور کہا گیا، مگر یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ حضرت حسینؓ کے بارے میں اتنا لکھا اور کہا جانا، ان کی بیدردانہ شہادت سے بھی زیادہ ان کی مظلومیت کا باعث بن گیا، اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے شہید کربلا بننے سے کہیں بڑی مظلومیت یہ ہے کہ بعد کی نسلوں کے سامنے ان کی شہادت کی تفصیلات کو جس متضاد انداز میں پیش کیا گیا اس نے ان کی شخصیت اور مقصد شہادت دونوں پر دبیز پردے ڈال دئیے اور نتیجہ کے طور پر یہ صورت حال پیدا ہو گئی کہ خود شہادت حسینؓ ہی نزاعی بن کر رہ گئی، ہماری تاریخ کا یہ المیہ مضحکہ خیز ہونے کے ساتھ ساتھ کس قدر فکر انگیز اور عبرتناک ہے کہ حضرت حسینؓ کو شہید مظلوم بلکہ سید الشہداء و شہید اعظم قرار دینے والوں کو جن تاریخی مجموعوں سے روایات مل جاتی ہیں ان ہی مجموعوں سے ان کو مجتہد مخطی بلکہ باغی، اور ہلکے الفاظ میں خروج کرنے والا قرار دینے کے لئے بھی روایات مل جاتی ہیں، حضرت حسینؓ رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور حضرت علیؓ کے بیٹے تھے، اس ایک فضیلت کے سوا ان کی کتاب فضائل کا کون سا عنوان ہے جسے نزاعی نہ بنا دیا گیا ہو؟ وہ صحابیٔ رسول تھے یا نہیں؟ ان کو زبان رسالت سے جوانان جنت کا سردار قرار دیا گیا یا نہیں؟ کوفیوں کی دعوت پر ان کا سفر کرنا، درست تھا یا نہیں؟ وہ محافظ اسلام تھے یا حریص خلافت؟ انھیں شہید مظلوم قرار دیا جائے یا باغی مقتول؟ یہ متضاد سوالات ہی نہیں بلکہ ایسی دو متوازی فکریں ہیں جن پر امت مسلمہ کی بہترین صلاحیتیں صدیوں سے صرف ہو رہی ہیں۔ اور ہم پورے یقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ سبائیوں کی یہ وہ سب سے بڑی کامیابی ہے جسکو حاصل کرنے کا سہرا ابو مخنف لوط بن یحیٰ، ہشام کلبی، محمد بن ہشام، واقدی، مسعودی اور محمد بن جریر طبری کے سر بندھتا ہے، کیسی عجیب ہے یہ بات کہ ہمارے مؤرخین و محققین آج تک حتمی طور پر یہی فیصلہ نہ کر سکے کہ نواسہ رسول سیدنا حسینؓ کا قتل کن ہاتھوں سے ہوا، اور ان کے اصل قاتل کون لوگ تھے، اور اسلامی قانون کے لحاظ سے ان کا مقام کیا ہے؟ کسی کو رافضی یا کسی کو خارجی قرار دیکر اپنے دل کے پھپھولے پھوڑلینا اور بات ہے لیکن سچائی یہ ہے کہ حضرت حسینؓ کی اصل مظلومیت یہی ہے کہ ان کو شہید جور و ستم قرار دینے

والے بھی مسلمان قرار دیئے جاتے ہیں، اور انھیں باغی وجارح کی حیثیت سے یاد کرنے والے بھی علانیہ طور پر مسلمان ہی گردانے جاتے ہیں جبکہ شہید و باغی دونوں کے علیحدہ علیحدہ دنیاوی احکام اور اُخروی انجام سب ہی کو معلوم ہیں۔

حضرت حسینؓ کی صحابیت

حضرت حسینؓ کی رسول اللہ ﷺ کے سامنے ولادت ہونے، حضور ﷺ کے ان کا نام رکھنے، ان کی تحنیک کرنے ان کا عقیقہ کرنے، اور ان کے حق میں دعائے خیر کرنے کے سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اختلاف ہوا تو صرف اس بات میں کہ اصطلاحی طور پر ان کو صحابیت کا شرف حاصل ہوا یا نہیں؟ اور اس اختلاف کی بنیاد وہی ہے جس کا ذکر ہم حضرت حسینؓ کی صحابیت کے سلسلہ میں مفصل طور پر کر آئے ہیں کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت حضرت(۱) حسنؓ ہی بہت کمسن تھے، چہ جائیکہ ان کے چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ جو کم از کم ۱۱ ماہ تو ان سے چھوٹے تھے ہی، اس لئے حضرت حسنؓ کی طرح حضرت حسینؓ بھی صحابی نہ تھے، ہم حضرت حسنؓ کی صحابیت کی بحث میں اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ عام طور پر محدثین واہل علم صحابی اس خوش نصیب شخص کو قرار دیتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی ہو، اور پھر ایمان ہی کی حالت میں اس کی موت بھی واقع ہوئی ہو، اس کے علاوہ صحابیت کے لئے اور کوئی شرط نہیں لگاتے، اور اس تعریف کے اعتبار سے حضرت حسنؓ ہی کی طرح حضرت حسینؓ کے صحابی ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے لیکن کچھ لوگوں نے صحابی ہونے کے لئے حضور ﷺ کے ساتھ صحبت طویلہ(۲) کی بھی قید لگائی ہے، یا اسی طرح بعض لوگوں نے روایت کی قید لگائی ہے، ان قیود کی رعایت کر کے بھی حضرت حسینؓ کی صحابیت سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے، البتہ جن لوگوں نے صحابی ہونے کے لئے بالغ ہونے کی قید لگائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جس وقت ملاقات ہو، اس وقت بالغ ہو تب ہی صحابی ہو

---

(۱) حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ دونوں کی تاریخ ولادت کے سلسلہ میں بھی متعدد اقوال ہیں اور اس سلسلہ میں بھی کہ ان دونوں بھائیوں کے درمیان عمروں کا کتنا تفاوت تھا؟ حافظ ابن کثیر، علامہ ابن عبدالبر اور علامہ ابن الاثیر جزری اور اکثر دوسرے مؤرخین کے بیان کے مطابق حضرت حسنؓ کی ولادت رمضان ۳ھ میں اور حضرت حسینؓ کی ولادت شعبان ۴ھ میں ہوئی، اور اس طرح ان دونوں کے درمیان ۱۱ ماہ کا فرق تھا، اس کے علاوہ دوسرے اقوال بھی ہیں، حتیٰ کہ بعض لوگوں نے حضرت حسنؓ کی ولادت ۷ھ اور حضرت حسینؓ کی ولادت ۹ھ میں بتائی ہے اور ان دونوں کے درمیان عمروں کا تفاوت ڈیڑھ سال بتایا ہے، مگر مشہور قول وہی ہے جس کا ذکر پہلے کیا گیا۔

(۲) صحبت طویلہ:۔ حضرت سعید بن مسیب کے قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سال کے قیام سے پوری ہو جاتی ہے (فتح الباری ج ۷ ص ۲)

سکتا ہے ورنہ نہیں، تو اوّلاً تو اس قول کو حافظ ابن حجر اور دوسرے محدثین نے رد کر دیا ہے[۳]۔ اور اگر اس قول کا اعتبار بھی کیا جائے تو یہ بات روایت کے لئے ہے کہ ایسا شخص جس نے رسول اللہ ﷺ سے کم عمری و نابالغی میں ملاقات کی ہو بلوغ کی حالت میں نہیں۔ بعض لوگ اس کو صحابی تو مانتے ہیں لیکن اس کی روایت کو تابعی کی روایت کی حیثیت دیتے ہیں۔ یعنی اگر اس نے براہ راست رسول اللہ ﷺ کا کوئی قول یا عمل بیان کیا تو اسے مرسل کا حکم دیا جائے گا مرفوع کا نہیں۔ (۴)

یعنی نابالغی کی بنیاد پر جن لوگوں نے صحابیت کا انکار کیا بھی ہے وہ انکار صرف روایت حدیث کی حد تک ہے عام نہیں، اور عام طور پر وہ لوگ بھی ایسے شخص کو صحابی ہی قرار دیتے ہیں۔

ان تفصیلات کے سامنے آنے کے بعد اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو لوگ تحقیق کا پورا زور صرف کر کے عہد نبوی میں حضرت حسینؓ کو بالکل دودھ پیتا بچہ ثابت کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد پورے زور و شور کے ساتھ یہ اعلان کرتے ہیں کہ حسینؓ اتنے کم عمر بچہ تھے کہ وہ صحابی ہو ہی نہیں سکتے، وہ کیا تاثر دینا چاہتے ہیں؟ ہر مسلمان کا سب سے زیادہ لائق اعتماد انسانی گروہ صحابۂ کرام ہی کا ہے، کیونکہ یہی وہ جماعت ہے جس کے بارے میں امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ الصحابۃ کلھم عدول (تمام صحابہ راستباز ہیں) پھر جب حضرت حسینؓ کے سلسلہ میں مطلقاً یہ کہا جائے کہ وہ صحابی نہیں ہیں تو اسے ان کی حیثیت عرفی کو مجروح کر کے ان کے مقام عظمت کو گھٹانے کے سوا اور کس نام سے یاد کیا جا سکتا ہے؟ اور بس یہی وہ ناپسندیدہ کام ہے جس کو انجام دینے سے پہلے ایک مسلمان کو یہ ضرور سوچنا چاہیئے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی پسند کے ساتھ کیا معاملہ کر رہے ہیں؟

حضرت حسینؓ کی شہادت

اسلامی تاریخ کے تاریک دنوں میں سے ایک دن ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ کا بھی ہے، جس دن نواسہ رسول ﷺ حضرت حسینؓ کی بے دردانہ شہادت ان ہی لوگوں کے ہاتھوں ہوئی جو اپنے آپ کو شہید مظلوم کا ہم مذہب ظاہر کرتے تھے اور جو اپنے کو اسی رسول کی غلامی سے وابستہ بتاتے تھے جس کے نواسے حضرت حسینؓ تھے اس سے قطع نظر کہ قاتلان حسینؓ کون لوگ تھے، اور اس حادثۂ الم کے پس پشت کس قسم کی سازش کام کر رہی تھی؟ کوئی بھی کلمہ گو نہ قتل حسینؓ پر راضی ہو سکتا ہے نہ اس المیہ کے ذمہ داروں سے اپنی وابستگی پر فخر کر سکتا ہے، ہم اسے حضرت حسینؓ کے خون ناحق اور ان کی مظلومیت کی ایک شہادت ہی قرار دیں گے

---

(۳) (فتح الباری ج ۷ ص ۲)

(۴) یہ محدثین کی خالص علمی و اصطلاحی بحث ہو جو انھوں نے روایت حدیث کے سلسلہ میں اٹھائی ہے اور عام مسلمان من حیث الرویۃ صحابی ہونے اور من حیث الروایۃ صحابی نہ ہونے کے فرق کو جانتا بھی نہیں ہے، اسی لئے مطلقاً اس کے سامنے کسی شخص کے بارے میں یہ فیصلہ آنا کہ وہ صحابی ہے یا صحابی نہیں ہے اس کے مذہبی جذبات کے رخ کی تعیین کا ذریعہ بنتا ہے اور یہ بالکل ظاہر بات ہو جسکا تعلق عقیدہ سے ہو کہ ایک صحابی اور ایک غیر صحابی کے مقام میں نمایاں فرق ہے۔

کہ ان کے قاتل آج اس طرح بے ننگ و نام ہو گئے کہ ان سے اپنی جسمانی یا روحانی وابستگی قائم کرنے والا دنیا کے پردہ میں کوئی نہیں ہے لیکن اس کے باوجود خود حضرت حسینؓ کے لئے شہید ہونا، ان کے تاج سعادت کا وہ انمول نگینہ ہے جس کی قدرو قیمت سے وہ خود آگاہ ہوں گے، یا پھر وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بیان پر یقین کرتے ہوئے شہید کے مقام و مرتبہ سے واقف ہیں، تاریخ کی بے سروپا روایات کے ذریعہ حسینی شہادت کو رونے رلانے کا سامان کرنے والے یا اسے حضرت حسینؓ کا ایک عاجلانہ وعاقبت نا اندیشانہ اقدام قرار دیکر استہزا کرنیوالے تو صدیوں سے حضرت حسینؓ کی مظلومیت میں اضافہ کر رہے ہیں۔

جہاں تک حضرت حسینؓ کی شہادت کی تفصیلات کا معاملہ ہے تو ان کے مکہ سے کوفہ کے لئے روانگی تک یا زیادہ سے زیادہ کربلا پہنچنے تک کے واقعات ہم تک ان ذرائع سے پہنچے ہیں جن پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حادثہ کربلا کی تمام تر تفصیلات سب سے پہلے طبری نے اپنی تاریخ میں ابو مخنف لوط بن یحیٰ کی روایت سے بیان کی ہیں، اس کے بعد پھر تاریخ طبری ہی سے دوسری کتابوں میں نقل در نقل ہوتی رہیں۔ ہم ان واقعات کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنے سے پہلے چند ایسے امور کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں جن سے قارئین خود ابسانی کے ساتھ اندازہ کر لیں گے کہ حادثہ کربلا کی تفصیلات اور حرب و جنگ کے مناظر کا بیان کس درجہ قابل اعتماد ہو سکتا ہے؟

١۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کا حادثۂ عظمیٰ ١٠ محرم الحرام ٦١ھ کو پیش آیا۔

٢۔ اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت حسینؓ کے افراد خاندان میں سے ان کے صاحبزادہ گرامی حضرت علی زین العابدین اور ان کے دو بھتیجے حضرت زید بن حسنؓ اور حضرت حسن مثنی بن حسنؓ میدان کربلا سے زندہ واپس آئے تھے، اور یہ تینوں ہی بزرگوار کربلا میں پیش آنے والے المناک حادثہ اور اپنے افراد خاندان کی شہادتوں کے چشم دید گواہ تھے، لیکن اس حادثہ کی تفصیلات بیان کرنے والی کسی بھی روایت کا راوی ان تینوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔

٣۔ حادثہ کربلا کی تمام جزئی تفصیلات، مثلاً جنگ کس طرح شروع ہوئی؟ مبارز طلبی پر حسینی قافلہ سے پہلے کون لوگ آگے بڑھے؟ پیاسوں پر کیا بیتی؟ علی اصغر و سکینہ کیوں کر شہید ہوئے؟ عباس علمدار نے کیا کارنامے انجام دیئے؟ وغیرہ وغیرہ، سب سے پہلے ابو مخنف لوط بن یحیٰ نے اپنی کتاب مقتل حسینؓ میں بیان کیں، اور پھر اسی راوی سے روایت کرتے ہوئے ان تفصیلات کو محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں جگہ دی۔

٤۔ ابو مخنف کا تعارف کراتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی تحریر کرتے ہیں۔

لوط بن یحیٰ ابو مخنف اخباری تالف لا یوثق بہ ترکہ ابو حاتم وغیرہ

وقال الدار قطنی ضعیف وقال یحی بن معین لیس بثقہ وقال مرہ لیس بشئی

وقال ابن عدی شیعی محترق صاحب اخبارہم قلت روی عن الصعق بن زہیر و جابر الجعفی و مجالد روی عنہ المداینی و عبدالرحمن بن مغراء

ومات قبل السبعین ومائہ انتہیٰ وقال ابو عبید الآجری سالت ابا حاتم عنہ فنفض یدہ وقال احد یسال عن ھذا وذکرہ العقیلی فی الضعفاء (لسان المیزان ج۴ص ۴۹۲۔۹۳)

لوط بن یحیٰ ابو مخنف ایک مؤرخ ہے جس نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں، قابل بھروسہ نہیں ہے ابو حاتم وغیرہ نے اسے متروک قرار دیا ہے۔

اور دار قطنی نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے اور یحیٰ بن معین نے کہا کہ یہ معتبر نہیں ہے، اور ایک مرتبہ یہ کہا کہ یہ تو کچھ ہے ہی نہیں۔

اور ابن عدی نے کہا کہ یہ جلا بھنا (یا آگ لگانے والا) شیعہ ہے اور انہی کی خبریں بیان کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ صعق بن زہیر اور جابر جعفی(۵) اور مجالد(۶) سے روایت کرتا ہے اور اس سے مداینی و عبدالرحمن بن مغراء نے روایت کیا ہے۔

۱۷۰ سے پہلے فوت ہوا، انتہی۔ اور ابوعبید آجری نہ کہا کہ میں نے ابوحاتم سے اس کے (ابو مخنف کے) سلسلہ میں پوچھا تو انھوں نے اپنا ہاتھ جھٹک کر کہا ایسے شخص کے بارے میں بھی کچھ پوچھا جاتا ہے اور عقیلی نے اس کا ذکر الضعفاء میں کیا ہے۔

۵- محمد بن جریر طبری کی ولادت ۲۲۴ھ کے آخر یا ۲۲۵ھ کے شروع میں ہوئی اور وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی- (۷)

مندرجہ بالا امور کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو یہ بات خود بخود نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ شہادت حسینؓ کی تمام تفصیلات اور کربلائی داستان کی حیثیت ابو مخنف کے دجل و فریب اور اطمینان سے بیٹھ کر تیار

(۵) جابر بن یزید بن الحارث جعفی- علمائے شیعہ میں سے ہے- امام شعبی، امام ابو حنیفہ، لیث بن سلیم نے اسے کذاب قرار دیا ہے، نسائی وغیرہ نے اسے متروک قرار دیا، ابو داؤد اسے قوی نہیں کہتے، جریر بن عبدالحمید نے اس سے روایت کو حلال نہیں جانا، یحیٰ نے کہا کہ نہ اس کی کوئی حدیث لکھی جائے نہ کرامت (میزان الاعتدال ج۱ ص۱۷۶)

(۶) مجالد بن ابی راشد، امام احمد نے اسے لاشی قرار دیا ہے کیونکہ یہ موقوف روایات کو مرفوع بنایا کرتا تھا (لسان المیزان ج۵ ص۱۶)

(۷) لسان المیزان ج۵ ص۱۰۲

کئے گئے جھوٹ کے پوٹ کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور اسے پروان چڑھانے اور نشر کرنے میں طبری نے اس کا پورا پورا ساتھ دیا ابو مخنف کربلا کے واقعات کی تفصیلات اتنی ڈھٹائی کے ساتھ بیان کرتا ہے جیسے یہ خود ان واقعات کا چشم دید گواہ ہو، جبکہ حادثۂ کربلا کے وقت یہ پیدا بھی نہیں ہوا تھا، اسی طرح طبری، ابو مخنف سے روایت کرتے ہوئے ان واقعات کو پوری تفصیل کے ساتھ اپنی تاریخ میں بیان کرتے ہیں جبکہ نہ ابو مخنف کے بیانات لائق اعتناء تھے نہ ہی طبری نے ابو مخنف کو دیکھا تھا کیونکہ طبری کی ولادت سے کم از کم ۵۵ برس پہلے ابو مخنف فوت ہو چکا تھا، اس کے باوجود طبری اس کے منقولات کو اس طرح روایت کرتے ہیں جیسے وہ ان کا استاذ ہو، اور طبری نے براہ راست اس سے سماعت کی ہو۔

ابو مخنف کے کذب و افتراء کا شاہکار مقتل حسینؓ نامی کتاب کا تو اب کہیں وجود نہیں ہے لیکن اس کے مکائد کو طبری نے اپنی تاریخ میں نقل کر کے حضرت حسینؓ کی ذات گرامی اور ان کی شہادت کو قیامت تک کے لئے موضوع بحث بنا دیا، کیونکہ بعد کی تاریخوں میں طبری کی روایات ہی کو نقل کیا گیا، اور پھر نقل در نقل، اور ان روایات پر نقد و جرح کا جو سلسلہ چلا تو شہادت حسینؓ کو ایک ایسا افسانہ بنا دیا گیا جیسے تاریخ اسلام کی یہ پہلی شہادت تھی اور اس کی وجہ سے پورے عالم اسلام میں بھونچال آ گیا تھا۔

جبکہ واقعات ثابتہ کی ترتیب ہمیں یہ بتاتی ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت بھی اسی سبائی فتنہ کی ایک کڑی تھی جس کی وجہ سے خلیفۂ مظلوم حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت ہوئی۔ پھر اسی شہادت کے نتیجہ میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے دور خلافت میں جنگ جمل اور جنگ صفین برپا ہوئیں(۸) پھر اسی فتنہ کے زیر اثر حضرت علیؓ کی شہادت ہوئی۔ ان کے فرزند اکبر حضرت حسنؓ کو طرح طرح سے تنگ کیا گیا، اور ان کو رسوا و ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا گیا، پھر حضرت معاویہؓ کی وفات ہوتے ہی اس زیر زمین فتنہ کو ایک مرتبہ نئی قوت اور نئے حوصلوں کے ساتھ سر اٹھانے کا موقع ملا، جس کے نتیجہ میں حضرت حسینؓ کی شہادت کا حادثۂ جانکاہ پیش آیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یزید کا کردار کیا تھا؟ یزید کی امارت حق بجانب تھی یا نہیں؟ اور یزید کی امارت سے اس وقت کے اہل الرائے متفق تھے یا نہیں؟ ان متنازعہ بحثوں میں پڑے بغیر ہم ایک متفق علیہ بات جانتے ہیں کہ یزید کی امارت سے حضرت حسینؓ کو اتفاق نہ تھا اور انہوں نے یزید کی خلافت کی بیعت سے انکار کر دیا تھا، کوفہ کے سبائیوں نے حضرت حسینؓ کے نام خطوط لکھ کر اور ان کی خدمت میں اپنے وفود بھیج کر حضرت حسینؓ کو یہ کھلا ہوا فریب دیا کہ عراق کے تمام باشندے آپ کے موقف سے پوری طرح متفق ہیں، وہ یزید کی بیعت کا

(۸) حضرت علیؓ کے دور خلافت کی تیسری جنگ نہروان بھی سبائی سازش ہی کے نتیجہ میں برپا ہوئی تھی؟ جو اگرچہ کھلی ہوئی حق و باطل کی جنگ تھی کیونکہ حضرت علیؓ کے مخالفین اور ان کے مقابلہ پر آنے والے خارجی حضرت علیؓ کو نعوذ باللہ مرتد قرار دے رہے تھے، لیکن اسلام اور اعیان اسلام کو مٹانے کی سبائی سازش ہی کی اس میں بھی کار فرمائی تھی۔

قلادہ اپنی گردنوں سے اتار کر بس آپ کے منتظر ہیں کہ آپ تشریف لائیں، اور یہ تمام لوگ آپ کے دست حق پرست پر بیعت کریں، یہ وہی سبائی تھے جنھوں نے حضرت حسینؓ کے والد بزرگوار حضرت علیؓ کو اسی طرح فریب دیکر اپنی وفاداری کا اس درجہ یقین دلایا تھا کہ انھوں نے اپنا دارالخلافہ مدینہ طیبہ سے کوفہ منتقل کرلیا تھا، لیکر پھر ان کوفیوں نے حضرت علیؓ کے ساتھ کس طرح دغا کی، اور کس طرح ان کو خون کے آنسو رلائے اور کس طرح ان کو بے یار و مددگار کیا۔ اور بالآخر حضرت علی مرتضیٰؓ کی شہادت کا واقعہ ہائلہ پیش آیا؟ اس کی تفصیلات بیان کرنے کا نہ یہ موقع ہے نہ ہی ان تسلیم شدہ حقائق کی تفصیلات بیان کرنے کی چنداں ضرورت ہے، حضرت علیؓ کے فرزند اکبر حضرت حسنؓ کچھ تو اپنی طبعی صلح پسندی کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنے والد گرامی کے ان وفاداروں کی وفاداریاں اپنی آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی تھیں ان سبائیوں کے نرغے میں نہیں آئے اور ان کوفی سبائیوں کے مشوروں کے علی الرغم انھوں نے حضرت معاویہؓ سے مصالحت کا تاریخ ساز فیصلہ کر کے خلافت سے دستبرداری حاصل کرلی۔ اگرچہ اس مصالحت کے نتیجہ میں حضرت حسنؓ کو ان سبائیوں کے ہاتھوں بڑے روح فرسا مظالم برداشت کرنا پڑے، لیکن بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت حسنؓ سبائیوں کے دام تزویر سے صاف بچ کر نکل گئے، اب خانوادۂ رسالت کے تیسرے فرد حضرت حسینؓ تھے جنکو سبائیوں نے اپنا نشانہ بنایا اور یہ ایک کربناک سچائی ہے کہ حضرت حسینؓ ان کوفی سبائیوں کی منظم سازش کے شکار ہو گئے اور اپنے قریب ترین والائق اعتماد اعزہ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت محمد بن علیؓ وغیرہما کی فہمائشوں اور دور رس مشوروں کو رد کر کے کوفہ کے لئے عازم سفر ہو گئے، مکہ میں حضرت حسینؓ کو بتایا گیا تھا کہ صوبہ عراق کے تمام مسلمانوں نے آپ کے ہاتھوں پر خلافت کی بیعت کرنے کا ارادہ کرلیا ہے اور آپ کے نمائندہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کے ہاتھوں پر اٹھارہ ہزار افراد نے بیعت کرلی ہے۔ ایک لاکھ سے زائد افراد آپ کے لئے چشم براہ ہیں۔ اور انھوں نے ہر طرح آپ کا ساتھ دینے کے لئے طلاق و عتاق کی قسمیں کھا رکھی ہیں۔ اور یہ ساری یقین دہانیاں ان ساٹھ سبائیوں نے کرائی تھیں جو کوفہ سے خاص اسی مقصد کو لیکر حضرت حسینؓ کے پاس آئے تھے کہ کسی بھی طرح ان کو کوفہ کے سفر کے لئے رضامند کریں، سبائیوں کی اس مکروفریب سے بھری شاطرانہ سازش کو مزید قوت اس خط سے بھی ملی جو حضرت مسلم بن عقیل کے نام سے حضرت حسینؓ کے پاس آیا تھا اور جس میں یہ درج تھا کہ آپ کی خلافت کے لئے میرے ہاتھوں پر بارہ ہزار افراد اب تک بیعت کرچکے ہیں(۹) ان تمام واقعات سے

(۹) اس خط کی روانگی کے بعد حضرت مسلم کی شہادت اور کوفہ پہنچنے پر کوفہ کے لوگوں کا حضرت حسینؓ کے نام کوئی خط بھیجنے سے انکار کرنا، اور ان ساٹھ سبائیوں تک کا حضرت حسینؓ کی مدد سے منہ پھیرنا جو مکہ سے ان کے ساتھ آئے تھے، یہ قرائن ہیں جن سے یقین کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کی طرف سے لکھا جانے والا یہ خط بھی حضرت مسلمؒ کا نہ تھا بلکہ یہ بھی ان سبائیوں کا ہی لکھا ہوا تھا۔

حضرت حسین اس نتیجہ پر پہنچے کہ یزید کے خلاف ایک عوامی انقلاب کی ضرورت ہے اور اس انقلاب کی قیادت کے لئے متفقہ طور پر لوگوں کی نگاہیں میری طرف اٹھ رہی ہیں چنانچہ وہ ایک عوامی مطالبہ کی تکمیل کی نیت سے مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہوگئے، کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی حضرت حسینؓ کو جستہ جستہ اصل حقیقت کا علم ہوتا گیا پھر ان کو یہ بھی اطلاع مل گئی کہ ان کے نمائندہ حضرت مسلم بن عقیل کو شہید کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ جب وہ مقام حاجر پہنچے تو یہ اعلان عام کر دیا کہ ہمارے گروہ کے لوگوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ مزید جو لوگ جانا چاہیں واپس جاسکتے ہیں ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

اس اعلان کے بعد کافی لوگ حضرت حسینؓ کو چھوڑ کر واپس چلے گئے، پھر جب کوفہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کے نمائندہ عمر بن سعد نے حضرت حسینؓ سے ملاقات کی اور ان سے دریافت کیا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ تو حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ "اے عمر تین میں سے میری ایک بات مان لو، یا تو مجھے چھوڑ دو کہ میں جیسے آیا ہوں ویسے ہی واپس چلا جاؤں۔ اگر یہ نہیں تو پھر مجھے یزید کے پاس لے چلو تا کہ میں اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدوں پھر وہ جو چاہے فیصلہ کرے، اور اگر یہ بھی نہیں چاہتے تو مجھے ترکوں کی طرف جانے دو تا کہ ان سے جہاد میں میں اپنی جان دیدوں"۔(۱) پھر کیا ہوا؟ پھر یقیناً یہی ہوا کہ حضرت حسینؓ کی جنگ ٹالنے کی یہ مخلصانہ کوشش کامیاب نہ ہوسکی، اور دشمنان حسینؓ نے ہاتھ آئے ہوئے شکار کو نکلتا دیکھ کر جنگ چھیڑ دی اور اس طرح تاریخ اسلام کا یہ بدنما واقعہ پیش آکر رہا کہ نواسہ رسول ﷺ، شہید مظلوم حضرت حسینؓ بن علیؓ نے اپنے خاندان کے کچھ قریبی اعزہ اور بہی خواہوں کے ساتھ کربلا کے میدان میں جام شہادت نوش کر لیا۔

سبائی سازش کامیاب ہوگئی، حسینؓ شہید ہوگئے، مگر نہیں۔ سبائی نامراد ہوئے کیونکہ قاتلان حسینؓ سے اپنا رشتہ جوڑنے والا کوئی نہیں ہے اور حسینؓ سرخرو ہوئے کیونکہ

شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مومن — نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

چند ضروری وضاحتیں

حضرت حسینؓ کی شہادت یقیناً تاریخ اسلام کا ایک سیاہ صفحہ ہے، لیکن ابومخنف سے پہلے اس حادثہ سے دل چسپی لینے والا، اور اس کی تفصیلات کو چٹخارے لے لے کر بیان کرنے والا ہم کو کوئی نہیں ملتا، نہ آہ وفغاں ہے نہ ماتم وشیون ہے، اور نہ ہی یزید پر طعن اور اس کا دفاع ہے، آخر ایسا کیوں ہے؟ حضرت حسینؓ کے جواں عمر فرزند اور ان کے حقیقی وارث حضرت علی زین العابدین حادثۂ کربلا کے چشم دید گواہ تھے، پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی طرف سے قصاص کا کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا حادثہ کربلا کے دو سال بعد جب حادثۂ حرہ پیش آیا تو حضرت زین العابدین اور حضرت حسینؓ کے دوسرے افراد خاندان کے لئے بہت اچھا موقع تھا کہ

---

(۱) کوفہ کے لوگوں کے خطوط بھیجنے سے لے کر یہاں تک کے واقعات کی تفصیلات البدایۃ النہایہ ج ۸ ص ۱۵۲ تا ۱۶۳، اور الاصابہ ج ۱ ص ۱۶۸ تا ۱۷۰ سے ماخوذ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا ساتھ دیکر یزید سے اپنے والد حضرت حسینؓ کے خون ناحق کا انتقام لے لیتے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس موقع پر حضرت حسینؓ کے افراد خاندان میں سے کسی نے حضرت ابن زبیرؓ کا ساتھ نہیں دیا۔ آخر ان حضرات کا یہ موقف کیوں تھا؟ پھر اس کے بعد جب سبائیوں نے التوابون بن کر اور اپنی پچھلی حرکتوں پر ندامت کا اظہار کر کے خونِ حسین کا بدلہ لینے کے لئے اپنی جارحانہ تحریک شروع کی، تو حضرت زین العابدین یا دیگر بنی ہاشم نے ان کا ساتھ کیوں نہیں دیا، اور ان تحریکوں سے اپنے کو الگ کیوں رکھا؟ کیا کوئی جرأت مند ہے جو یہ کہہ سکے کہ حضرت زین العابدین اور حضرت حسینؓ کے دیگر افراد خاندان کو حضرت حسینؓ کی بے دردانہ مظلومانہ شہادت سے رنج نہیں ہوا تھا؟ یا یہ کہنے کی کسی میں ہمت ہے کہ ان لوگوں کو رنج تو ہوا تھا مگر یہ نعوذ باللہ اتنے پست ہمت، اور بے حمیت تھے کہ نہ انھوں نے قصاص کا مطالبہ کیا نہ ہی انتقام لینے کی بات کبھی سوچی؟ ہمارا خیال یہ ہے کہ بات ایسی نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ چونکہ یہ حضرات، ابو مخنف کی روایات کے ذریعہ نہیں بلکہ پوری صورت حال کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کی وجہ سے اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ اس افسوسناک اور قابل نفریں حادثہ کے لئے حکومت وقت، یا اس کا سربراہ یزید نہیں، بلکہ کوفہ کے وہ سبائی ذمہ دار ہیں جنھوں نے واقعات کی غلط تصویر پیش کر کے اور عوامی انقلاب کی ضرورت کا چکمہ دیکر حضرت حسینؓ کو کوفہ بلوایا تھا، اور پھر کربلا کے میدان میں ان کو بے یار و مددگار کر کے اپنی گردن کٹوانے پر مجبور کر دیا تھا، اسی لئے نہ ان حضرات نے "التوابون" کی توبہ تسلیم کی نہ ان کو اپنا کسی قسم کا تعاون دیا، نہ ہی واقعہ حرہ میں کسی طرف سے شرکت کی۔

اسی جگہ تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے آجانا مناسب ہے کہ بعض لوگ حمایت یزید کے جوش میں یزید اور اس کی حکومت کے خلاف حضرت حسینؓ کے اس اقدام کو خروج یا بغاوت سے تعبیر کرتے ہوئے یزید کو برسر صواب، اور حضرت حسینؓ کو برسر خطا بتاتے ہیں، ایسا کہنے والے امت کے اجماعی موقف کو کورانہ تقلید اور اپنی بے جا جسارت و گستاخی کو تحقیق کا نام دیتے ہیں۔ ہم ایسی تحقیق سے سوبار اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے یہی کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے جن حالات میں اور جن خبروں کی بنیاد پر جو اقدام کیا، وہ برسر حق تھا، اور ایک مجتہد مطلق ہونے کے ناطے ان کے لئے اس کے علاوہ کوئی دوسرا اقدام کرنا جائز بھی نہ تھا۔

جہاں تک اصحاب تحقیق کا معاملہ ہے تو ان کی دلیل یہی ہے کہ چونکہ حضرت حسینؓ نے یزید کی متفق علیہ اور قائم شدہ خلافت کے خلاف خروج کیا اس لئے وہ بہر حال باغی قرار پائیں گے قطع نظر اس کے کہ فضیلت و مرتبہ میں یزید کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ کہیں بڑھے ہوئے تھے لیکن شریعت مقدسہ کی واضح تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کے اتفاق کے بعد کسی خلیفہ کے خلاف خروج کی اجازت نہیں ہے اور ایسے کسی اقدام کو خروج یا بغاوت ہی سے تعبیر کیا گیا ہے جو بہر حال ایک جرم ہے۔

اس مغالطہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ پہلے یزید کی خلافت کو ایسی متفق علیہ قرار دے لیا گیا کہ گویا اہل الرائے افراد میں سے کسی کو اس سے اختلاف ہی نہ تھا اور پھر حضرت حسینؓ کے اختلاف کو ایک عامی کے

اختلاف یا زیادہ واضح الفاظ میں حکومت کی ہوس سے تعبیر کر کے ان کے اقدام کو بغاوت قرار دے لیا گیا۔

حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یزید کی خلافت سے متعدد اہل الرائے اور مجتہد اصحابؓ مثلاً حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ بن علیؓ نے ولی عہدی کے وقت ہی اختلاف ظاہر کیا تھا، ان میں سے دیگر حضرات نے تو بعد میں اپنا اختلاف واپس لے لیا تھا لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ بن علیؓ کے متعلق واضح طور پر ہم کو یہ معلوم ہے کہ انھوں نے اپنا اختلاف واپس نہیں لیا تھا اور ان دونوں نے نہ ولی عہدی کی بیعت کی نہ ہی بعد میں امارت قائم ہونے کے وقت۔ اگر ہم اس بات کو تسلیم بھی کر لیں کہ ان دونوں کا ہم نوا اور کوئی نہ تھا۔ اور بقیہ تمام اہل الرائے حضرات نے یزید کی بیعت قبول کر لی تھی، تو بھی ان دونوں حضرات کے اختلاف کو بد نیتی اور حکومت کی ہوس سے تعبیر کرنا، ایک بے ہودہ جسارت کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیونکہ ان دونوں بزرگواروں کے مجتہد ہونے کی حیثیت کا انکار کرنے کی تو شاید کوئی بھی جرأت نہ کر سکے پھر اگر دوسری تمام غیر معتبر اور تشنۂ تحقیق باتوں سے قطع نظر، انھوں نے صرف اپنے اجتہاد کی بنیاد پر پوری نیک نیتی کے ساتھ یزید کی خلافت قبول کرنے سے انکار کر کے ذاتی طور پر بیعت نہیں کی تو اسے کیونکر جرم گردانا جا سکتا ہے؟ البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر دیگر تمام اہل الرائے حضرات نے بیعت کر لی تھی اور عوام نے یزید کو خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے تسلیم کر لیا تھا، تو حکومت قائمہ کے خلاف کوئی اقدام کرنے کی نہ ان دونوں حضرات کو اجازت ہو سکتی تھی، نہ ہی کسی اور کو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ بن علیؓ دونوں میں سے کسی کے لئے کسی ضعیف سے ضعیف بلکہ موضوع روایت سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے بیعت سے انکار کے بعد خلافت سازی کی کوشش شروع کر دی ہو، جہاں تک حضرت حسینؓ کا معاملہ ہے تو ان کو مکہ میں کوفیوں کے پیہم خطوط ملے کہ عراق کے لوگ یزید سے بیعت نہ کر کے آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرنا چاہتے ہیں، آپ فوراً کوفہ آ جائیے تاکہ امت مسلمہ اختلال وانتشار سے محفوظ ہو جائے، یہ خطوط کوفہ کے ایسے مقتدر و باعزت افراد کی طرف سے لکھے ہوئے تھے جن کے اصرار کو حضرت حسینؓ نظر انداز نہیں کر سکتے تھے، پھر بھی انھوں نے احتیاط کے طور پر حضرت مسلم بن عقیلؓ کو صحیح صورت حال کا پتہ لگانے کے لئے کوفہ بھیجا، حضرت مسلمؓ کی کوفہ روانگی سے پہلے اور بعد میں کوفہ کے سبائیوں کے متعدد وفود بھی حضرت حسینؓ سے مکہ میں آ کر ملاقاتیں کر کے اور اسی مضمون کو بیان کر کے جو خطوط میں لکھا گیا تھا، حضرت حسینؓ سے کوفہ کی طرف کوچ کرنے کی درخواستیں کرتے رہے تھے۔ پھر حضرت حسینؓ کے نمائندہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کی طرف سے وہ خط حضرت حسینؓ کو ملا، جس میں لکھا گیا تھا کہ کوفہ کے بارہ ہزار، یا ایک روایت کے مطابق اٹھارہ ہزار اور ایک دوسری روایت کے مطابق ساٹھ ہزار افراد تک نے آپ کی خلافت کے لئے میرے ہاتھوں پر بیعت کر لی ہے، اور یہاں عام طور پر لوگ انقلاب حکومت چاہتے ہیں، اور آپ کے سوا کسی دوسرے کو خلیفہ کی حیثیت سے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، پھر آخر میں کوفہ کے ساٹھ سبائیوں پر مشتمل وہ

وفد حضرت حسینؓ سے آکر ملا جس نے ہر طرح اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ تمام اہل عراق آپ اور صرف آپ کی خلافت پر متفق ہو چکے ہیں، بڑی تعداد میں لوگوں نے یزید کی حکومت قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے، اور وہ یزید کے عمال کے مظالم کے شکار ہو رہے ہیں، بقیہ لوگ آپ کے کوفہ پہنچنے کے منتظر ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ کوفہ کے واقعی حالات وہ نہیں تھے جو حضرت حسینؓ کے سامنے بیان کئے گئے تھے، اور حضرت حسینؓ تک خطوط اور وفود کے ذریعہ پہنچائی جانے والی یہ تمام خبریں کوفہ کے ان تھوڑے سے سبائیوں کی سازش کا ایک حصہ تھیں جنھوں نے اس سے پہلے اسی طرح حضرت علیؓ کو بھی فریب دیا تھا لیکن سوال یہ ہے کہ کیا حضرت حسینؓ کے لئے اس بات پر یقین کر لینے کے لئے کافی اسباب نہ تھے کہ عراق کے لوگ عوامی انقلاب کے ذریعہ حکومت تبدیل کرنا چاہتے ہیں اور میرے سوا کسی دوسرے کی قیادت پر وہ لوگ متفق نہیں ہو سکتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن جعفرؓ اور حضرت حسینؓ کے دوسرے جن ہمدردوں و بہی خواہوں نے ان کو کوفہ جانے سے روکا تھا وہ ان کے سابقہ تجربات کی بنیاد پر تھا جو اہل کوفہ کی طرف سے اب تک ہوئے تھے۔ اور جن سے یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے خاندان اور ان کے ذریعہ برپا ہونے والے دین کے دشمن ہیں، اور ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ ان پر اعتماد کیا جا سکے، اس کے برخلاف حضرت حسینؓ کے اطمینان کے لئے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ان کے نمائندہ مسلم بن عقیلؓ نے بھی کوفہ پہنچ کر اور وہاں کے حالات کا جائزہ لیکر وہی بات لکھی جو کوفہ سے آنیوالے لوگ زبانی بتا رہے تھے، ان حالات میں اگر حضرت حسینؓ نے عوامی انقلاب کی قیادت کے خیال سے مکہ مکرمہ سے کوفہ کا سفر شروع کیا، تو اسے خروج یا بغاوت سے تعبیر کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ بغاوت نام ہے کسی متفق علیہ اور قائم شدہ حکومت کے خلاف کسی فرد یا چند افراد پر مشتمل ایک چھوٹے سے گروہ کے اقدام کا جبکہ حضرت حسینؓ کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا وہ تو اپنے علم و یقین کے مطابق عراقی عوام کو ان کی خواہش و اصرار پر مظالم سے بچانے ان کو متحد کرنے اور خلافت اسلامیہ عطا کرنے کا جذبہ لے کر روانہ ہوئے تھے، اس پس منظر میں حضرت حسینؓ کی مکہ سے روانگی کو خروج اور بغاوت سے تعبیر کرنا بہت ہی سنگین جسارت اور بہت بڑا ظلم ہے پھر ایسی صورت میں جبکہ بعد کے واقعات نے حضرت حسینؓ کے موقف اور ان کے ارادوں کو پوری طرح واضح کر دیا، کہ کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی جب ان کو حضرت مسلم بن عقیلؓ کی شہادت اور دوسرے واقعات سے یہ یقین ہو گیا کہ پرانے شکاریوں نے نئے جال کے ذریعہ فریب دیا ہے۔ اور پھر کوفہ پہنچ کر اور اہل کوفہ سے مل کر جب انھیں یہ معلوم ہو گیا کہ یہاں کوئی عوامی شورش نہیں ہے کوفہ کے مقتدر و اہل الرائے افراد یزید کی بیعت پر عام طور پر قائم ہیں، ان کے نام سے میری طرف بھیجے گئے خطوط جعلی تھے، اور یزید اور اس کے عمال مکہ سے میرے کوفہ آنے کو حکومت وقت کے خلاف خروج سمجھ رہے ہیں، نعمان بن بشیرؓ کی جگہ عبید اللہ بن زیادؓ کو کوفہ کا گورنر اسی لئے مقرر کیا جا چکا ہے کہ وہ پوری مستعدی اور فوجی قوت کے ساتھ میرا مقابلہ کرے، وہ لوگ جنھوں نے ساتھ دینے اور بیعت کرنے

کے وعدے کئے تھے سب غائب ہو چکے ہیں، غرضیکہ جب حضرت حسینؓ کو پوری طرح اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ مکہ میں بتائے گئے حالات سے کوفہ کے حالات بالکل مختلف ہیں۔ اور یہاں کسی عوامی انقلاب کی نہ طلب ہے اور نہ موقع تو انھوں نے عبید اللہ بن زیادؓ کے نمائندہ عمر بن سعد سے صاف صاف کہہ دیا کہ:۔

"میری تین باتوں میں سے ایک مان لو، یا مجھے واپس جانے دو، یا یزید کے پاس پہنچا دو یا ترکوں کی طرف جانے دو تاکہ میں ان سے جہاد کر سکوں۔"

مگر ان سبائیوں کو جو ہزار جتن کر کے اور شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر نہ جانے کن کن مکاریوں سے حضرت حسینؓ کو یہاں لائے تھے یہ کیونکر گوارہ ہو سکتا تھا کہ اب حضرت حسینؓ بچ کر نکل جائیں؟ کیونکہ انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر حضرت حسینؓ یہاں سے زندہ واپس چلے گئے تو ہماری ساری سازش کھل کر رہے گی، اور یزید پر حسینؓ کی بے گناہی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ظاہر ہو کر رہے گا کہ حسینؓ کو کس طرح کوفہ کا سفر کرایا گیا، اور کن کن لوگوں کا اسمیں ہاتھ تھا؟ اور یہ سب ظاہر ہونے کے بعد ان سبائیوں کو اپنا انجام معلوم تھا، اس لئے انھوں نے ڈھکا پردہ ڈھکا رکھنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی، اور نواسۂ رسول ﷺ حضرت حسینؓ پر وہ جنگ مسلط کر دی جو بالآخر ان کی مظلومانہ شہادت پر ختم ہوئی۔

یہ ہیں وہ حقائق جن سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ حضرت حسینؓ نے مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہوتے وقت جو موقف اختیار کیا تھا وہ اس وقت کے معلوم حالات و اخبار کی بنا پر بالکل مناسب اور درست تھا، پھر جب ان کے سامنے حالات و واقعات کی صحیح صورت آئی، اور انھوں نے اپنے موقف میں تبدیلی کی وہ اس وقت کے لحاظ سے بالکل درست و مناسب تھا۔

سچائی یہ ہے کہ نہ حضرت حسینؓ کو خلافت و امارت کی ہوس تھی، نہ وہ امت کے خون میں اپنے ہاتھ رنگنا پسند کرتے تھے اور نہ ہی اپنی اور اپنے افراد خاندان کی بربادی و ہلاکت کو پسند کرتے تھے جو کچھ ہوا وہ سبائیوں کی نہایت ہی منظم اور منصوبہ بند سازش سے ہوا، جس کے لئے حضرت حسینؓ کو کسی طرح ذمہ دار نہیں قرار دیا جا سکتا، اس لئے جو لوگ یزید کی حمایت کے جوش میں مقام حسینؓ کو فراموش کر کے ان پر خروج و بغاوت کی پھبتی کستے ہیں، وہ نہ صرف کردار حسینؓ کو مجروح کر کے ان کی مظلومیت میں اضافہ کرتے ہیں بلکہ تاریخ کو مسخ کر کے ناقابل معافی مجرمین کی فہرست میں اپنا نام درج کراتے ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک اور بات بھی ہے جس کی وضاحت ضروری ہے کہ حضرت حسینؓ کے قتل کا یزید کی طرف انتساب بھی سبائیوں کی اسی مکروہ سازش کا ایک حصہ ہے جس کے ذریعہ وہ اسلام کے خوبصورت پیکر کو داغدار بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت حسینؓ کی المناک شہادت کا حادثہ یزید کے دور امارت میں پیش آیا۔ لیکن اس کا لازمی نتیجہ یہی نہیں ہے کہ یہ شہادت یزید کے حکم یا اس کے ایماء سے ہوئی تھی کیونکہ یزید کے سلسلہ میں کسی کمزور سے کمزور تاریخی روایت میں بھی یہ بات نہیں بیان کی گئی ہے کہ اس نے کسی بھی شخص کو حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم دیا ہو، یا قتل حسینؓ پر اپنی رضا مندی ظاہر کی ہو بلکہ حافظ

ابن کثیر تو تحریر کرتے ہیں کہ:-

"حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے ایک آزاد کردہ غلام کا بیان ہے کہ جب یزید کے سامنے حضرت حسینؓ کا سر مبارک لاکر رکھا گیا تو میں نے اس کو روتے دیکھا اس نے کہا کہ اگر ابن زیاد اور حسینؓ میں باہم کوئی رشتہ ہوتا تو وہ (حسینؓ کے ساتھ) ایسا معاملہ نہ کرتا۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۷۱"

اسی طرح ایک دوسری روایت کے مطابق:-

"جب حضرت حسینؓ کا سر مبارک یزید کے سامنے آیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس نے اپنے لشکر کے لوگوں سے کہا کہ اگر تم حسینؓ کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے کچھ نہ کہتا۔ اللہ ابن سمیہ (ابن زیاد) پر لعنت کرے خدا کی قسم اگر میں ہوتا تو حسینؓ کو معاف کر دیتا (قتل نہ کرتا) (الاصابہ ج ۱ ص ۱۹۰)

اس قسم کے اور بھی بیانات تاریخ کی مختلف کتابوں میں یزید سے منسوب ہیں جن سے یہی واضح ہوتا ہے کہ یزید نے حضرت حسینؓ کی شہادت پر اپنے رنج اور افسوس کا اظہار کیا ہے اس لئے یزید کو قاتل حسینؓ کے نام سے یاد کرنا، اور یزید کے نام سے اس طرح نفرت کرنا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے غیر نزاعی قاتلوں کے نام بے تکلف لئے جائیں، اور اپنے بچوں کے نام حضرت عمرؓ کے مجوسی قاتل کے نام پر فیروز رکھ دیئے جائیں تو کچھ حرج نہیں لیکن یزید کا نام اس لئے نہ آنے پائے کہ وہ قاتل حسینؓ ہے، انتہائی احمقانہ اور گمراہ کن خیال ہے کیونکہ اس کے علاوہ کہ یزید کا قاتل حسینؓ ہونا، یا قتل حسینؓ پر راضی ہونا کہیں سے ثابت نہیں ہے یزید کے نام کے بہت سے دوسرے اصحاب کرام و تابعین عظام گزرے ہیں لہذا اس نام سے نفرت انتہائی مضحکہ خیز ہے۔

کچھ لوگ یزید کے قتل حسینؓ سے راضی ہونے پر اس بات سے استدلال کرتے ہیں کہ اگرچہ یزید کا حضرت حسینؓ کو شہید کر دینے کا حکم تو نہیں ملتا۔ لیکن اگر اسے واقعی یہ امر ناگوار گذرا ہوتا تو اس نے قاتلان حسینؓ سے قصاص لیا ہوتا، اور مجرمین کو کیفر کردار تک پہنچایا ہوتا، جس کا ثبوت نہیں ملتا، تو یہ استدلال انتہائی بیہودہ ہے کیونکہ اولاً تو جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا کہ حضرت حسینؓ کے ورثاء کی طرف سے قصاص کا مطالبہ نہیں کیا گیا جبکہ یہ ان ہی کا حق تھا، پھر اس کی بھی وضاحت ہو گئی کہ قتل حسینؓ میں سبائیوں کی گہری اور منصوبہ بند سازش کا دخل تھا، اور کسی ایک فرد کو اس سلسلہ میں نامزد نہیں کیا جا سکتا تھا، ایسے حالات میں حکومت وقت کی کچھ انتظامی مجبوریاں ہوتی ہیں، اور ان تمام افراد کو جو کسی بھی درجہ میں سازش کے شریک ہوں قابل مواخذہ قرار دینے میں بدامنی اور خلفشار پھیلنے کا شدید خطرہ ہوتا ہے، جس کی رعایت سے حکمران کو ایسے معاملات کو معرض التوا میں ڈال کر مناسب وقت کا انتظار کرنا پڑتا ہے جیسا کہ حضرت عثمان غنیؓ کے قاتلوں کے سلسلہ میں حضرت علیؓ نے کیا تھا۔ اور باوجود شدید مطالبہ کے وہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص نہیں لے سکے تھے لیکن اس کے باوجود کوئی صاحب ایمان ہرگز نہ یہ کہہ سکتا ہے نہ ہی خارجیوں کی اس بے

بنیاد پر یقین کر سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں حضرت علیؓ شریک تھے۔ سبحانک ھذا بھتان عظیم۔

پھر کیا وجہ ہے کہ صرف قاتلان حسینؓ سے انتقام نہ لے سکنے کی بنیاد پر یزید کو قتل حسینؓ میں شریک ہونے یا اس سے راضی ہونے کا مجرم گردانا جائے؟

حضرت حسینؓ کی اصل مظلومیت

مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ حضرت حسینؓ یقیناً تاریخ کے ایک ناقابل فراموش مظلوم ہیں لیکن ان کی اصل مظلومیت یہ نہیں ہے کہ وہ شہید ہو گئے، بلاشبہ کربلا کے میدان میں ان کی شہادت بھی ان کی مظلومیت کا ایک عنوان ہے مگر یہ وہ شرف نہیں ہے جس کو پہلی مرتبہ حضرت حسینؓ ہی نے حاصل کیا ہو، ان سے پہلے ان سے کہیں زیادہ مظلومیت کے ساتھ ان کے خالو اور رسول اللہ ﷺ کے تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کی شہادت ہو چکی تھی، پھر ان سے بھی پہلے اسلام کی راہ میں شہادت پیش کرنے والی پہلی خاتون حضرت سمیہؓ کی شہادت بھی ناقابل فراموش ہے جن کو مشہور دشمن اسلام اور محروم ازلی ابو جہل بن ہشام نے ٹانگیں چروا کر شہید کیا تھا۔

حضرت حسینؓ کی اصل مظلومیت یہ ہے کہ ان کے قاتل ہی ان کے سب سے بڑے دوست اور ان کے غم میں آنسو بہانے والے بن بیٹھے، اور اس طرح انھوں نے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے ساتھ ساتھ حضرت حسینؓ کی شہادت کے اصلی اسباب و محرکات کو اوجھل کر دیا۔

اگر حادثۂ کربلا کی سبائی تفصیلات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے اور یہ خلاف واقعہ بات مان لی جائے کہ مکہ مکرمہ سے روانگی کے وقت سے تادم شہادت حضرت حسینؓ کے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی، تو پھر ناصبیوں و خارجیوں کے اس الزام کے دفاع کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی کہ حضرت حسینؓ (معاذ اللہ) باغی تھے، کیونکہ اس واقعہ سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ یزید کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی تھی، اور تمام صوبوں میں اسی کے عامل کام کر رہے تھے، عراق کے بارے میں خطوط اور وفود کے ذریعہ حضرت حسینؓ کو جو اطلاعات دی گئی تھیں، وہ بالکل غلط تھیں۔ حضرت مسلم بن عقیلؓ کے ہاتھوں پر حضرت حسینؓ کے لئے جن بارہ ہزار، اٹھارہ ہزار یا ساٹھ ہزار لوگوں نے بیعت کی تھی وہ بھی ایک دھوکا ہی تھا کیونکہ وقت پڑنے پر کسی نے بھی ان کا ساتھ نہیں دیا، حضرت حسینؓ کو صرف بہتر ۷۲ نفر پر مشتمل ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ جس میں نابالغ بچے اور ضعیف العمر افراد بھی شامل تھے چار ہزار کی فوج سے مقابلہ کرنا پڑا تھا، ایسی صورت میں کیا یہ کہنے کی کوئی گنجائش ہے کہ حضرت حسینؓ عوامی مطالبہ پر ایک عوامی انقلاب کی قیادت کر رہے تھے؟ اگر نہیں تو حالات سے واقف ہونے اور عوامی تائید نہ حاصل ہو سکنے کے بعد جنگ میں حصہ لینے کے لئے کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ کربلا میں تو ایک مرتبہ حضرت حسینؓ کو شہید کر کے ان پر ظلم کیا گیا لیکن سبائیوں

بقیہ ص ۴۱ پر